وَرَضِیتُ لَکُمُ الاِسلامَ دِیناً

ایمان دو نہیں ہے قرآن دو نہیں
اسلام ایک ہی ہے کہ دو نہیں

مع اضافاتِ جدیدہ

ایک اسلام

جسمیں

قوی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام میں
حدیث کی سخت ضرورت ہے

مصنف:

حضرت حکیم الامت مُفتی احمد یار خان نعیمی
(رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سارے وہ فرمان جن پر حضور کو باقی رکھا گیا سب رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں لیکن جن کا مضمون اور الفاظ سب بذریعہ وحی کے ہوں اسے قرآن کہتے ہیں اور جس کا مضمون تو ربّ کی طرف سے ہو مگر الفاظ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف سے ، اسے حدیث کہا جاتا ہے ۔ اسی لیے قرآن کریم کی تلاوت نماز میں ہوتی ہے اور حدیث کی تلاوت وہاں نہیں ہوتی ہے۔ حدیث کی تین قسمیں ہیں:

۱ ۔ حدیث قولی یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان ۔

۲ ۔ حدیث فعلی یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دِن رات کے اعمال ۔

۳ ۔ حدیث سکوتی یعنی کسی کو کچھ کرتے ہوئے ملاحظہ فرمایا اور منع نہ کیا اسی لیے قرآن کو وحیٔ جلی اور حدیث کو وحیٔ خفی کہتے ہیں۔

صحابہ کرام علیہم الرضوان کے نزدیک قرآن و حدیث کا ایک ہی درجہ تھا کیونکہ انہوں نے حدیث خود حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی تھی ، اسی لیے انہوں نے حدیث کی وجہ سے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ کی حالانکہ تقسیم میراث کا حکم قرآن شریف میں موجود ہے، ہم چونکہ بہت بعد میں پیدا ہوئے اس لیے ہم کو احادیث کے بارے میں چھان بین کرنی پڑی جو احادیث متواتر یقینی طور پر ہم کو مل گئیں ان پر ہم نے قرآن کی طرح عمل کرنا ضروری جانا ، جیسے نماز کی رکعات اور زکوۃ کی تعداد وغیرہ کی حدیثیں اور جو اس درجہ پر قطعی ثبوت کو نہ پہنچیں ان کو حسبِ مراتب مانا، غرضیکہ قرآن و حدیث اسلام کے دو ایسے ضروری ستون ہیں جن کے بغیر اسلام کی چھت قائم نہیں رہ سکتی ۔ اب بعض لوگ بالکل آنکھیں بند کر کے حدیث کا انکار کر دیتے ہیں، حالانکہ خود ہزار ہا حدیثوں پر عمل کرتے ہیں مگر زبان سے انکار کیے جاتے ہیں ، ہم احادیث کی ضرورت اور ان کے اعتراضات کے جوابات ترتیب وار عرض کرتے ہیں، پہلے دلائل ملاحظہ ہوں۔

(۱) ربّ تعالیٰ فرماتا ہے، **اطیعو اللّٰہ واطیعو الرّسول و اولی امر منکم** یعنی فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اور اپنے میں سے امر والوں کی۔ قرآن پر عمل رب تعالیٰ کی اطاعت ہے اور حدیث پر عمل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت ہے، اور فقہا صحابہ کی اطاعت کرتے تھے، اگر صرف قرآن کی اطاعت ضروری تھی تو اس آیت میں تین کا ذکر کیوں فرمایا۔

(۲) **ویعلمھم الکتب والحکمتہ** ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہیں کتاب یعنی قرآن و حکمت یعنی حدیث سکھاتے ہیں، اگر حدیث کی ضرورت نہیں تو اس آیت میں کتاب کے ساتھ حکمت کا ذکر کیوں ہے؟

(۳) ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھا کم عنہ فانتھوا جو تم کو رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دیں وہ لے لو، اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو، اگر صرف قرآن ماننا چاہئے تو یوں فرمانا چاہئے تھا کہ جو تمہیں ہم دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے بچو! پتہ لگا کہ جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ملے قرآن یا حدیث سب لو۔

(٤) من یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی معلوم کہ احادیث اور قرآن کا ایک ہی درجہ ہے، حدیث پر عمل بھی خدا کی اطاعت ہے۔

(٥) والذین اذا ذکروا بایٰت ربّھم لم یخروا علیھا صما و عمیانا مسلمانوں کی شان یہ ہے کہ کہ جب ان پر قرآنی آیت پڑھی جاویں تو ان آیتوں پر اندھا دھند اپنی عقل سے نہیں گر پڑتے بلکہ اسے سمجھ کر عمل کرتے ہیں۔

(٦) ویحرم علیھم الخبائث یعنی نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان پر گندی چیزیں حرام فرماتے ہیں معلوم ہوا کہ احادیث سے بھی حرمت ثابت ہوتی ہے جیسے کہ گدھا اور کتا ان کی حرمت حدیث شریف سے ثابت ہے۔

(۷) فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم تمہارے ربّ کی قسم یہ لوگ اُس وقت تک مومن نہیں ہونگے جب تک کہ اپنے ہر جھگڑے میں آپ کو حاکم نہ مان لیں اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو حاکم ماننے کی یہی صورت ہے کہ آپ کی ہر بات پر عمل کرے اور یہی حدیث کا ماننا ہے۔

(۸) ربّ فرماتا ہے: انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون ہم نے ہی قرآن اُتارا ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔ اس معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ قرآن کے الفاظ۔ قرآن کے معنی، قرآن کے احکام، قرآن کے اسرار سب محافظ ہیں، اسی لیے حافظ، قاری، عالم، مشائخ تا قیامت جاری رکھے، اور حدیث قرآن کے احکام و اسرار کے بقا کا ذریعہ ہے، اگر یہ نہ ہو تو صلوۃ۔ زکوۃ کے لفظوں کی تو حفاظت رہی مگر یہ نہ خبر رہی صلوٰہ ناچنے کو کہتے ہیں یا بھاگ دوڑ کو اور زکوۃ کپڑے دھونے کو کہتے ہیں یا کسی اور چیز کو غرضیکہ قرآن کی حفاظت کا سب سے بڑا ذریعہ حدیث ہے۔

احادیث

(۱) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے قرآن بھی دیا گیا اور اس کے مثل (حدیث) بھی عطا فرمایا گیا۔ عنقریب ایسا شخص پیدا ہوگا جو کہے گا کہ ہمیں قرآن ہی کافی ہے۔ خبردار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حرام فرمایا ہوا خدا تعالیٰ کے حرام فرمائے ہوئے کی طرح ہے خبردار گدھا حرام ہے اور ہر کیل والا جانور (کتا وغیرہ) حرام ہے۔ (ابو داؤد. درامی. مشکوۃ باب الاعتصام)

(۲) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں جب تک تم انہیں پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہوگے، اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اس رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنّت۔ (موطا، مشکوۃ)

(۳) جو جماعت سے علیحدہ رہا، اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے اتار دی۔ (احمد. ابو دائود ، مشکوۃ)

(٤) بھیڑیا اس بکری کو پھاڑتا ہے جو ریوڑ سے علیحدہ ہو جاوے شیطان انسان کا بھیڑیا ہے جو مسلمان کی جماعت سے علیحدہ ہوگا شیطان کا شکار ہو جاوے گا، ہمیشہ جماعت کے ساتھ رہو۔ (احمد . مشکوۃ)

ہمیشہ سے مسلمان کتاب وسنت کو مانتے رہے، اب جو سنت کا منکر ہے وہ جماعت سے علیحدہ ہے اور شیطان کے نرغہ میں ہے۔

(٥) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو حلال مال کھائے اور سنت پر عمل کرے اور لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں وہ جنتی ہے۔ (ترمذی . مشکوۃ)

(٦) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری اُمت کے ۷۳ فرقے ہوں گے ایک کے سوا سارے دوزخی ہیں عرض کیا گیا، وہ ایک فرقہ کون سا ہے؟ فرمایا، ما انا علیہ اصحابی جس راستے پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔

(۷) نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں،

اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھدیتم

میرے صحابہ تارے ہیں جن کی تم پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ (زرین مشکوۃ باب مناقب الصحابہ)

عقلی دلائل

(١) خود قرآن کا قرآن ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ ہم نے قرآن اترتے اور جبرائیل علیہ السلام کو وحی لاتے نہ دیکھا۔ سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ قرآن ہے ہم نے مان لیا اور سرکار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہی حدیث ہے منکرینِ حدیث قرآن کو کلام اللہ ثابت نہیں کر سکتے۔

(٢) قرآن کی سورتیں اور آیتیں اور اس کی مقدار حدیث سے ثابت ہے، یہ کیسے پتہ چلا کہ اتنا قرآن، اتنی سورتیں، اتنی آیتیں ربّ کی طرف سے نازل ہوئیں، منکرین حدیث کبھی بھی ثابت نہیں کر سکتے۔

(٣) حدیث کے بغیر قرآن پر عمل نہیں کر سکتے، بہت جگہ ربّ تعالیٰ فرماتا ہے اقیمو الصلوۃ واتو الزکوۃ نماز قائم کرو اور زکوۃ دو حدیث کا انکار کرنے والا نماز کا طریقہ اور تعداد اور زکوٰۃ کی مقدار اور ادا کرنے کا طریقہ قرآن سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں کر سکتا اسی طرح قرآن کے سارے احکام کا حال ہے گویا حدیث قرآن کی شرح ہے۔

(٤) چکڑالویوں کو چاہئے کہ کتا گدھا کھایا کریں۔ قرآن نے صرف سُور، مردار وغیرہ تین چار جانوروں کو حرام فرمایا ہے، باقی سب کی حرمت حدیث ہی سے ثابت ہے۔

(۵) سنّت فرائض کے لیے اور حدیث قرآن کے لیے ایسی ہے جیسے کھانے کے لیے پانی جیسے کھانا بغیر پانی کے نہ پک سکے نہ کھایا جاسکے ایسے ہی قرآنی احکام سنت کے بغیر نہ ادا ہوسکیں نہ باقی رہ سکیں۔

نماز فرض ہے، ہاتھ باندھنا۔سبحان اللہ پڑھنا۔التحیات۔درودِ ابراھیمی اور سلام سب سنتیں ہیں۔

چکڑالوی ایک نماز ایسی پڑھ کردکھائیں، جوصرف قرآن کی نماز ہو حدیث سے اس میں مدد نہ لی گئی ہو۔

(٦) قرآن گمراہ بھی کرتا ہے اور ہدایت بھی دیتا ہے۔ یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا لیکن سچوں کوساتھ رہنا ہدایت کا باعث ہے ربّ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وکونوا مع الصادقین سچوں کے ساتھ رہو۔اور فرماتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم خدایا ہمیں سیدے راستے کی ہدایت کران لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام کیا اور حدیث وفقہ کا ماننا سارے علماء، اولیاء، صالحین کا راستہ ہے اسی میں ہدایت ہے اور حدیث کا انکار ان کے خلاف ہے، لہٰذا اس میں گمراہی ہے۔

(۷) قرآن کتاب اللہ ہے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نور اللہ ہیں رب فرماتا ہے۔ قد جآء کم من اللہ نور و کتاب مبین کتاب بغیر روشنی کے کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی، ایسے ہی قرآن بغیر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان کے فائدہ نہیں دے سکتا۔

یہ بھی خیال رہے کہ وہ ہی دِین سچا ہے جس میں اولیاء اللہ ہوں جو مذہب اولیاء اللہ سے خالی ہے وہ باطل ہے اسی شاخ میں سبزہ اور پھل پھول لگتے ہیں جس کا تعلق جڑ سے قائم ہو اولیاء اللہ درختِ ملت کے پھل ہیں۔ دیکھو بنی اسرائیل میں پہلے صدہا اولیاء اللہ ہوئے لیکن جب سے ان کا دین منسوخ ہوا اس سے ولایت ختم ہوگئی آج اسلام میں بہت فرقے ہیں لیکن سوا اہلِ سنت والجماعت کے کسی فرقے میں اولیاء اللہ نہیں کوئی چکڑالوی وغیرہ اپنے دین میں کوئی ولی دیکھا دیں معلوم ہوا کہ بحمدہٖ تعالیٰ جماعتِ اہلسنت ہی برحق ہے۔

دوسرا باب

اس پر اعتراض وجواب میں

منکرینِ حدیث کے چند مشہور اعتراضات میں جو وہ ہر جگہ بیان کرتے ہیں، ہم اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱: ربّ تعالیٰ فرماتا ہے: ونزلنا علیک الکتاب تبیانالکل شیءٍ ہم نے قرآن شریف آپ پر ہر چیز بیان کرنے کے لیے اتارا، جب قرآن نے سب کچھ بیان کردیا تو حدیث کی کیا ضرورت رہی۔

جواب: قرآن شریف حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے ہر چیز کا کھلا بیان ہے نہ کہ ہم جیسے ناسمجھ انسانوں کیلئے اسی لیے علیک فرمایا گیا، آپ براہِ مہربانی زکوۃ کی مقدار قرآن سے نکال دیں۔

اعتراض نمبر ۲: ربّ فرماتا ہے: ولا رطب ولا یا بس الا فی کتاب مبین نہیں ہے کوئی خشک وتر چیز مگر روشن کتاب یعنی قرآن میں ہے، جب ہر چیز قرآن میں ہے تو حدیث سے کیا لیتے ہو۔

جواب: بیشک قرآن شریف میں ہر چیز ہے، مگر اس سے ہر چیز نکالنے کے لیے کامل عقل کی ضرورت ہے تم نہیں نکال سکتے، سمندر میں واقعی موتی ہیں مگر غوطہ خور نکال سکتے ہیں دوسرا آدمی ڈوب جائے گا، دواخانہ میں بیشک دوائیں ہیں، مگر اس کا استعمال طبیب کرادے گا۔

اعتراض نمبر ۳: ربّ فرماتا ہے: ولقد یسرنا القران للذکر فھل من مد کر ہم نے قرآن ذکر کیلئے آسان کردیا، جب قرآن سب کچھ ہے اور قرآن آسان بھی ہے پھر حدیث کی کیا ضرورت ہے۔

جواب: قرآن کریم حفظ کرنے کے لیے آسان ہے نہ کہ مسائل نکالنے کے لیے اسی لیے للذکر فرمایا گیا، توریت وانجیل کا کوئی حافظ نہ ہوا، قرآن شریف کو بچے بچے بھی حفظ کر لیتے ہیں، آسان کرنے کے یہ معنی ہیں، اگر مسائل نکالنے کے لیے آسان ہوتا تو اس کی تعلیم کیلئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیوں بھیجے جاتے، ویعلمھم الکتاب والحکمۃ بڑا مدرس بڑی کتاب پڑھاتا ہے۔

اعتراض نمبر ٤: خلفاء راشدین لوگوں کو حدیث روایت کرنے سے روکتے تھے، جب صحابہ کرام روایتِ حدیث سے باز رہے تو بعد کے لوگوں کو حدیثیں کیسے پہنچیں؟

جواب: صحابہ کرام روایتِ حدیث سے منع نہ کرتے تھے بلکہ روایت میں بے احتیاطی کرنے سے منع کرتے تھے، تاکہ غلط باتیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہ ہوجاویں، اگر اصل حدیث کی روایت سے روکتے تو آج دین ختم ہوجاتا، کیونکہ بغیر حدیث دین قائم نہیں رہ سکتا، آج صحابہ کرام کی ہزارہا روایتیں موجود ہیں، چنانچہ مسلم باب الاستیذان میں ہے کہ ابوسعید خذری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک حدیث بیان کی تو آپ نے فرمایا، اقم علیہ البینۃ والا او جعتک اس حدیث شریف پر گواہ لاؤ ورنہ تم کو سزا دونگا پھر جب ابن ابی کعب نے گواہی دی تب قبول فرمائی اسی روایت سے پتہ لگا کہ صحابہ کرام حدیث کی روایت میں بہت تحقیق کرتے تھے تاکہ منافقین کو حدیث گھڑنے کی جرات نہ ہو۔

چنانچہ اس حدیث کی شرح میں امام نووی فرماتے ہیں:۔ ولکن خاف عمر مسارعۃ الناس الی القول علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم حتی لا یقول علیہ بعض المبتدعین او الکاذبین او المنافقین نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا تھا، حدثوا عنی ولا حرج لوگوں سے میری حدیثیں بیان کرو کوئی حرج نہیں (مسلم آخر جلد دوم کتابۃ علم) تو خلفائے راشدین اس سے کیسے منع فرما سکتے ہیں۔

اعتراض نمبرہ: نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا، اما لا تکتبو عنی غیرالقران قرآن شریف کے سوا میری کوئی بات نہ لکھو، جب حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حدیث لکھنے کی ممانعت کردی تو اس کے بقاء کا کوئی ذریعہ ہی نہ رہا صرف قرآن باقی رہا وہ ہی واجب العمل ہے۔

جواب: اس کے چند جواب ہیں۔

(۱) تعجب ہے کہ تم حدیث کے منکر ہو اور پھر حدیث سے ہی دلیل پیش کر رہے ہو، یہ بھی حدیث ہے جو تم نے بیان کی گویا آپ حدیث کو حدیث سے رد کر رہے ہیں، دوسرا جواب۔

(۲) اس روایت کا منشا یہ ہے کہ لوگ حدیثیں یاد کرنے کی کوشش کریں لکھنے سے یاد کرنے کا شوق ختم ہو جاتا ہے، تیسرا جواب...

(۳) یہ حدیث اُس وقت کی جب قرآن نازل ہونا شروع ہوا تھا۔ خطرہ تھا کہ لوگ قرآن بھی لکھیں گے اور حدیث بھی تو شاید حدیث قرآن سے مخلوط نہ ہو جائے جب لوگوں نے قرآن وحدیث کا فرق پہچان لیا تو لکھنے کی اجازت دے دی گئی۔

اجازت کی احادیث حسب ذیل ہیں

(۱) حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے وفات کے وقت خود کاغذ منگایا اور فرمایا۔ لاؤ میں تمہارے لیے کچھ لکھ دوں تا کہ تم گمراہ نہ ہو، اگر حدیث لکھنا منع تھا تو اس کا ارادہ کیوں فرمایا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں عمرو ابن عاص کان یکتب ولا اکتب عمرو بن عاص حدیثیں لکھتے تھے میں نہ لکھتا تھا۔

(۲) حجۃ الوداع کے موقع پر حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے تقریر فرمائی تو ابوشاہ نے عرض کیا کہ حضور مجھے یہ احکام لکھوا دیں، تو فرمایا اکتبو لا بی شاہ ابوشاہ کے لیے لکھ دو۔

(۳) ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے صدقہ کے احکام کی احادیث لکھ کر اپنے حاکموں کو بھیجیں تا کہ ان پر عمل کریں۔

(٤) لوگوں نے علی رضی اللہ تعالی عنہ سے پوچھا تمہارے پاس حضور کے کون سے اسرار ہیں فرمایا، کوئی نہیں سوا اس رسالہ کے جس میں چند حدیثیں لکھی ہیں۔

(۵) عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالی عنہ نے ابوبکر ابن حزم کو لکھا۔

انظر ما کان من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فا کتبنی فانی خفت دروس العلم

حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی حدیثیں تلاش کرو اور لکھ لو مجھے خطرہ ہے کہ علم مٹ نہ جائے، بخاری نے ایک باب بندھا باب کتابتہ العلم یعنی علم لکھنے کا باب یہ تمام احادیث اسی جگہ ہیں بخاری میں اور مسلم کے آخر میں دیکھو۔

﴿ ضروری نوٹ ﴾

تعجب ہے کہ قرآن تو قرض کے لین دین کے لکھ لینے کی تاکید فرماتا ہے اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ تا کہ قرض برباد نہ جاوے اور احادیث میں ایمان ہے جو مال سے زیادہ شاندار ہے اس کی ممانعت کردی جاوے یہ کیسے ہوسکتا ہے معترض نے دھوکہ کھایا ہے۔

اعتراض نمبر۶: احادیث میں بہت جگہ تعارض ہے کہیں تو فرمایا گیا رات کی نماز تمام دنیا سے افضل ہے اور کہیں فرمادیا گیا جہاد دنیا سے افضل ہے، اسی طرح کہیں آتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم رفع یدین کرتے تھے اور کہیں آتا ہے کہ نہ کرتے تھے، کہیں ترک دُنیا پر زور ہے کہیں دنیادار بننے کی تعلیم ہے، پتہ لگا کہ ساری حدیثیں غلط ہیں کیونکہ رسول کے کلام میں تعارض نہیں ہوسکتا۔

جواب: تمہیں اپنی بے علمی کی وجہ سے تعارض معلوم ہو رہا ہے، ورنہ ان میں تعارض کوئی نہیں، بعض لحاظ سے تہجد کی نماز بہت اچھی ہے اور دوسرے لحاظ سے جہاد بہتر ہے اوّلاً سرکار صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا عمل رفع یدین تھا بعد میں چھوڑ دیا گیا وہ منسوخ ہوگیا ذاتی معاملات میں دنیا سے بے رغبتی اچھی چیز ہے اور قومی ملکی دینی معاملات میں دنیا سے تعلق اچھی چیز ہے اپنی بے عملی کی وجہ سے حدیث کا انکار کیوں کرتے ہیں۔ کسی مدرسے میں جا کر حدیث پڑھو، پھر پتہ لگ جائے گا انگریزی اور اردو کے ترجموں سے حدیث نہیں آتی، ورنہ پھر قرآن کی آیتیں بھی تعارض سے بھری ہوئی معلوم ہوتی ہیں، قرآنِ کریم فرماتا ہے دنیا کُن سے پیدا ہوئی یعنی آناً فاناً اور کہیں فرماتا ہے کچھ دنوں میں بنی، فی ستة ایام ، کہیں فرماتا ہے کہ قیامت میں خدا کافروں سے کلام نہ کرے گا، کہیں فرماتا ہے کلام کرے گا، کہیں فرماتا ہے کہ قیامت کے دن کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہ اُٹھائے گا، کہیں فرماتا ہے اُٹھائے گا کہیں فرماتا ہے کافروں پر نرمی کرو کہیں فرماتا ہے کہ سختی کرو جہاد کرو کہیں فرماتا ہے عورت کی عدت ایک سال ہے کہیں فرماتا ہے چار ماہ دس دِن ہے کیا آپ قرآن کا بھی انکار کردیں گے، نہیں بلکہ سمجھنے کی کوشش کریں گے ایسے ہی حدیث میں محنت کرو، نہ قرآنی آیات میں تعارض ہے نہ احادیث صحیحہ میں سمجھ کا قصور ہے۔

اعتراض نمبر۷: بہت حدیثیں عقل کے خلاف ہیں، دیکھو حدیث کہتی ہے کہ سورج ڈوبنے کے بعد خدا کے دربار میں حاضر ہو کر سجدہ کرتا ہے پھر اجازت لے کر طلوع ہوتا ہے اور جغرافیہ کہتا ہے کہ سورج غائب ہوتا نہیں چکر لگاتا رہتا ہے جب یہاں رات ہوتی ہے تو امریکہ میں دن ہوتا ہے ایسی حدیثوں کو مان کر آج سائنس کے زمانے میں اسلام کا مذاق اُڑوانا ہے۔

جواب: یہ بھی آپ کی عقل کی کمی ہے اور حدیث نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے ایسے تو قرآن کی بہت سی آیتیں عقل کے خلاف معلوم ہوتی ہیں، قرآن کہتا ہے درخت اور بیل بوٹے سجدہ کرتے ہیں، حالانکہ ہم نے ہمیشہ انہیں کھڑے ہی دیکھا ہے کبھی جھکتا نہ دیکھا، جو کچھ سجدہ سے یہاں مراد ہے وہ ہی حدیث میں مراد لے لو، یعنی سورج ہمیشہ رب کا مطیع رہتا ہے اور دوسرے مقام پر طلوع ہونے کی اجازت چاہتا رہتا ہے غرض یہ کہ زمانہ میں ہر اردو خوان حدیث و قرآن کا ترجمہ بے سمجھے بوجھے پڑھ رہا ہے، اور جب اسے نہیں سمجھتا تو انکار کردیتا ہے۔

اعتراض نمبر۸: احادیث سے ثابت ہے کہ خلفائے راشدین نے لوگوں سے لکھی ہوئی احادیث کے دفتر منگا کر جلادیئے اگر احادیث کا لکھنا اچھا تھا تو انہیں جلانے کی کیا ضرورت تھی اور اب جب وہ جل گئے تو اب بعد کے لوگوں کو احادیث کیسے ملیں۔

جواب: اس کا جواب اس سے پہلے گزر چکا ہے، کہ ان دفتروں کو جلادیا گیا جن میں قرآن وحدیث مخلوط تھی اور لوگ سمجھتے تھے کہ یہ سب قرآن ہے جیسے عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کے صحیفے، چنانچہ بخاری باب جمع القرآن کے یہ لفظ ہیں، وامہ بما سواہ من القرآن فی کل صحیفۃ ان یحرق یاان دفتروں کو سپرد خاک کیا گیا جو صحیح وغلط روایات کے جامع تھے، جیسے ان صحیفوں کے جلانے کے بعد اصل قرآن محفوظ رہا، ایسے ہی ان صحیفوں کو جلانے کے بعد اصل احادیث بھی محفوظ ہیں۔
غرضیکہ احادیث کے منکر سوا چند و ہمیات کے اور کچھ بھی اپنے پاس نہیں رکھتے ہیں تو چکڑالویوں سے کہتا ہوں کہ صرف ایک نماز ایسی پڑھو جو صرف قرآن کی نماز ہو یا ایک دن کی زندگی ایسی گزارو جو صرف قرآن کی زندگی ہو، مگر نہ کرسکو گے تو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو نہ کرسکو، جیسے قرآن کی ضرورت ہے، ایسے ہی حدیث وفقہ کی بھی ضرورت ہے۔

اعتراض نمبر۹: حدیثیں زمانہ نبوی کے بعد لکھی گئیں اس زمانے میں کتابی شکل میں نہ تھی لہٰذا اب حدیثوں کا اعتبار نہ رہا نہ معلوم غلط لکھی گئیں یا صحیح۔

جواب: بعینہ یہ سوال قرآن شریف پر بھی ہوسکتا ہے کہ قرآن زمانہ نبوی میں کتابی شکل میں نہ تھا، بعد میں زمانہ صدیقی میں صرف جمع کیا گیا، پھر زمانہ عثمانی میں اس کی اشاعت ہوئی اور خلفائے راشدین کے بعد اس پر اعراب (زیر زبر) لگے، پھر بہت عرصے کے بعد اس کے پارے اور رکوع وغیرہ مقرر ہوئے، نہ معلوم لوگوں نے درست لکھا یا غلط، جناب اللہ تعالی نے صحابہ کرام کو وہ حافظہ غضب کا بخشا تھا کہ بعض صحابہ ہزاروں بلکہ لاکھوں حدیثوں کے ایسے حافظ تھے کہ زیر زبر کا فرق نہ ہوتا تھا۔ جب عہدِ صحابہ قریب الختم ہوا تو زمانہ تابعین میں کتب احادیث ایسی احتیاط کے ساتھ لکھی گئیں جس کی مثال کسی زمانے میں نہیں ملتی کہ ہر راوی کی تاریخ کتابوں میں آگئی اور اس کے لیے پورا ایک فن وضع ہوا، جسے اسماء الرجال کہتے ہیں۔
حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ نے جو کہ ۸۰ ھ میں پیدا ہو چکے تھے مسانید ابو حنیفہ لکھی، پھر امام مالک قدس سرہ نے جو کہ ۹۰ ھ میں پیدا ہوئے موطا امام مالک لکھی۔
اسی طرح امام محمد نے موطا امام مالک وغیرہ تالیف کیں۔ حتی کہ ۱۹٤ ھ میں امام بخاری پیدا ہوئے اور انہوں نے ایسی معرکۃ الآرا کتاب لکھی کہ سبحان اللہ (عزوجل)! یعنی بخاری شریف اس تالیف سے پہلے اور تالیف کے زمانے میں لوگ احادیث ایسے یاد کرتے تھے جیسے آج کا حافظ قرآن شریف کو، اس جمع کے بعد پھر حدیث کے یاد کرنے کا رواج کم ہوگیا۔

اعتراض نمبر ۱۰: حدیث کا یہ حال ہے کہ ایک راوی ایک سے ایک روایت کرتا ہے حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے واشھد و اذوی عدل منکم تم گواہ بنایا کرو، ایک کی روایت قرآن کی اس آیت سے معتبر نہیں، لہٰذا جن جن حدیثوں کے راوی صرف ایک ایک صحابی یا ایک ایک تابعی ہیں، وہ ہرگز قابلِ قبول نہیں ہوسکتیں۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی، دوسرا تحقیقی، جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر قرآن شریف کی بھی خیر نہیں، کیونکہ ایک جبرائیل نے حضور کو قرآن پیش کیا اور ایک نبی نے اپنی امت کو قرآن پہنچایا، لہٰذا قرآن کی اسی آیت سے خود سارا قرآن قابل اعتبار نہ رہا، چاہیے تھا کہ جبرائیل قرآن لاتے اور دو نبی قرآن اپنی اُمت تک پہنچاتے نیز آج آپ جنگل میں ایک آدمی کی خبر سے قبلہ پانی کی طہارت، جگہ کا پاک ہونا، ایک آدمی کی خبر سے نئے کپڑوں کی طہارت گوشت کا حلال ہونا معلوم کر لیتے ہیں اگر ہر جگہ دو گواہیوں کی ضرورت ہو تو دُنیا میں فساد ہو جائے۔

خود قرآن کہتا ہے کہ ایک گواہی کا اعتبار ہوتا ہے، فرماتا ہے وشھد شاھد من اھلھا زلیخا کے گھر والوں سے ایک گواہ نے گواہی ہی دی، معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام کی عصمت ایک گواہی سے ثابت کی گئی اور قرآن نے اسے درست رکھا۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ قاضی کے ہاں مالی معاملات میں دو گواہوں سے دعوی کا ثبوت ہوگا بلکہ زنا کے لیے چار گواہیاں ضروری ہیں مگر دینی امور میں ایک شخص کی خبر معتبر ہے، احادیث میں اس طرح تفصیل کی گئی ہے چنانچہ قطعی عقائد کے لیے خبر متواتر کی ضرورت ہے، دیگر مسائل میں کہیں مشہور حدیث ضروری اور کبھی ایک کی روایت کافی ہے، مگر مسائل میں صرف صحیح حدیث مانی جاتی ہے، فضائل میں ضعیف حدیث بھی قبول کر لیتے ہیں، یہ تمام باتیں اصول فقہ اصولِ حدیث میں بہت تفصیل سے مذکور ہیں جن سے آپ بالکل کورے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱۱: بعض احادیث میں ایسی چیزیں ہیں جنھیں سن کر ایمان کانپ جاتا ہے، مثلاً بخاری شریف کتاب الطلاق میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک اجنبی عورت امیمہ بنت جون کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف راغب کیا مگر اس نے آپ سے پناہ مانگی بھلا جب احادیث میں ایسی باتیں مزکور ہوں تو احادیث کو مانا جاسکتا ہے۔ لا حول و لا قوۃ

جواب: اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے حدیث کسی لائق اُستاد سے پڑھی نہیں اور درست مطلب سمجھ نہ سکے، آپ اپنی عقل پر لاحول پڑھیں، حدیث پر نہ پڑھیں بغیر سمجھے تو قرآن میں بھی ایسے اعتراض کر سکتے ہیں۔

دیکھو قرآن کریم حضرت لوط علیہ السلام کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہوں نے اپنے مہمانوں کی عزت بچانے کیلئے اپنی قوم سے فرمایا قال ھولاء بناتی ان کنتم فاعلین یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کرنا ہے۔

قرآن کریم حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے ولقد ھمت بہ وھم بھا زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور یوسف نے زلیخا کا ارداہ کرلیا۔

کہیے جناب قوم کے سامنے اپنی بیٹیاں پیش کرنا کیا اس سے آپ کا ایمان نہیں کانپتا، اور غیر عورت کا ارداہ کرلینا اس سے آپ نہیں گھبراتے، کیا یہ چیزیں نبوت اور نبی کے شایان شان ہیں، مگر الحمدللہ نبی ہر عیب سے پاک ہیں عیب آپ کی جہالت اور آنکھ میں ہے، امیمہ بنت جون حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی منکوحہ تھیں غیر عورت نہیں تھیں جیسا خود بخاری میں اسی جگہ موجود ہے مگر دیکھنے کے لیے ایمانی عینک چاہیئے، اور حضرت لوط نے اپنی بیٹیوں سے ان قوم والوں کی بیویاں مراد لیں یعنی قوم کی بیٹیاں، اور سورۃ یوسف کی اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف کا ارادہ کرلیا، اور وہ بھی ارادہ کر لیتے اگر رب کی برہان نہ دیکھتے ربّ تعالیٰ اپنے کلام اور اپنے حبیب کے فرمان کی صحیح فہم عطا فرمائے۔

اعتراض نمبر ۱۲: تواریخ سے ثابت ہے کہ محدثین کے پاس لاکھوں حدیثیں تھیں مگر خود انہوں نے اکثر کو غلط سمجھ کر روایت نہ کیا بہت تھوڑی روایات لیں، امام بخاری نے لاکھوں حدیثوں میں سے چند ہزار اپنی کتاب میں درج کیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ غلط حدیثیں بھی گھڑی جاچکی ہیں۔

جواب: جی ہاں غلط حدیث گھڑی بھی جاچکی ہیں اور محدثین کی کوشش کے بعد وہ نکال کر الگ بھی کی جاچکی ہیں، آپ کے سوال سے تو یہ ثابت ہوا کہ محدثین نے مجروح حدیثوں کو چھانٹ کر علیحدہ کر دیا بعض نے تو اپنی کتب میں انہیں لکھا ہی نہیں اور بعض نے لکھا تو ساتھ بتا بھی دیا کہ یہ حدیث اس درجہ کی ہے دیکھو ترمذی شریف میں ہر حدیث کے ساتھ اس کا حال بھی لکھا ہوتا ہے کہ یہ صحیح ہے یا ضعیف۔

ضروری نوٹ

آخر میں دو مسئلے اور سمجھ لینا چاہئیں ایک یہ کہ حدیث اور سنت میں فرق یہ ہے کہ حدیث تو حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ہر وہ قول یا فعل ہے جو روایت میں آ جائیں خواہ ہمارے لیے وہ قابلِ عمل ہو یا نہ ہو لیکن سنت حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا ہر وہ قول یا عمل شریف ہے جو ہمارے لیے بھی لائق عمل ہو، حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کا بیک وَقت نو بیویاں اپنے نکاح میں رکھنا، یا اونٹ پر سُوار ہو کر طوافِ کعبہ فرمانا، یا اپنی نواسی حضرت امامہ کو اپنے کندھے پر بٹھا کر نماز ادا فرمانا، حدیث سے ثابت ہے مگر سنت نہیں، ہم اس پر عمل ہر گز نہیں کر سکتے اسی لیے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا **علیکم بسنتی** میری سنت کو لازم پکڑو، یہ نہ فرمایا **علیکم بحدیثی** میری حدیث کو لازم پکڑ لو۔ لہٰذا دنیا میں اہلِ حدیث کوئی نہیں ہو سکتا اور ہم بفضلہٖ تعالیٰ اہلِ سنت ہیں کیونکہ اہلِ حدیث کے معنی ہر حدیث پر عمل کرنے والا اور یہ نہ ممکن ہے مگر اہلسنت کے معنی ہیں ہر سنت پر عمل کرنے والا یہ ممکن ہو سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۲ دوسرے یہ کہ اگر چہ ہم فرض، واجب، مستحب، نفل، سنت سب ہی ادا کرتے ہیں، مگر ہمارا نام اہلِ فرض، اہلِ واجب، وغیرہ نہیں۔ اہلِ سنت ہے اس لئے کہ فرض واجب، تو بالغ، عاقل ہونے کے بعد ہمارا ہاتھ پکڑتے ہیں مگر سنّت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ہمیں پیدا ہوتے ہی اپنی آغوش میں لے لیتی ہے دیکھو نکاح کرنا سنت، تعلیم دلانا سنت، پھر کھانا پینا، تجارت کرنا، روزی کمانا، جاگنا سونا، بیوی بچوں کی پرورش کرنا بلکہ جینا مرنا سنت ہے فرض تو صرف اس قدر ہے کہ ناف سے گھٹنوں تک ستر ڈھانپ لیا جائے، باقی یہ تمام سنّتیں ہی ہیں، اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی سنّت پر جینا مرنا نصیب فرمائے۔ آمین

مفتی احمد یار خان (رحمتہ اللہ تعالی علیہ)

سرپرست دارالعلوم غوثیہ پاکستان گجرات

۵ ربیع آلاخر ۱۳۷۵ھ جمعہ